انسانیت، معیشت اور ماحولیات

(کتاب "اسلام اور ماحولیات" کے آئینے میں)

HUMANITY, ECONOMICS & ENVIRONMENT

(*In the light of the book "Islam and the Environment)*

Dr. Sh. M. Hasnain

***Abstract*:**

The book "Islam & Environment", compiled by Allama Abdullah Jawadi Amoli, is infact the demonstration of Islamic teachings upon the subject of "Environment". But the book also presents precious ideas regarding Islamic Anthropolgy, and Divine Economics. Along with combination of scattered ideas about divine anthropology and economics through out the book, this article also reconstructs and highlights the relationship between humanity, economy and environment from Islam's point of view. The article also interprets the philosophical ideas in an easy way for an ordinary reader to understand. Although no new facts have been discovered in this article, but it is a research paper on the criteria of new interpretation of the discovered facts.

***Keywords*:** *Islam, Anthropology, Enviornment, Economics, Amoli.*

خلاصہ

علامہ عبد اللہ جوادی آملی نے اپنی تالیف "اسلام و محیط زیست"[1] میں اسلام کے نکتۂ نگاہ سے "ماحولیات " کے موضوع پر ایک عمیق فکری تحلیل پیش کی ہے۔ اگرچہ اس کتاب کا اصل موضوع "اسلام اور ماحولیات" ہے، تاہم اس میں پراکندہ طور پر اسلامی انسان شناسی اور الٰہی معیشت پر بھی گران قدر مطالب پیش کیے گئے ہیں۔ اس مقالہ میں کتاب کے صفحات پر بکھرے ہوئے ان مطالب کو یکجا کرنے کے علاوہ ان کی Reconstruction کے ذریعے "انسانیت، معیشت اور ماحولیات" کے عنوان سے ان مفاہیم کے درمیان اسلام کے نکتہ نگاہ سے پائے جانے والے ربط کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان مطالب کو ایک عام قاری کےلئے انتہائی آسان فہم بھی بنا دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس مقالہ میں نئے حقائق دریافت نہیں کیے گئے لیکن دریافت شدہ حقائق کو کچھ اس طرح کنگھالا گیا ہے کہ مقالہ، ایک تحقیقی مقالہ قرار پائے۔

کلیدی کلمات: اسلام، ماحولیات، انسان شناسی، معیشت، اقتصادیات، آملی۔

اسلامی انسان شناسی

قرآن کریم کے مطابق انسان کائنات کی وہ تنہا حسین ترین مخلوق ہے جس کی تخلیق کے حسن کی داد خود خالق دیتا ہے :فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ(14:23) یعنی: "پس بابرکت ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر خالق ہے۔" قرآن کی نظر میں انسان ایک انتہائی باکرامت مخلوق ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا(70:17)یعنی: "اور بےشک ہم نے آدم کی اولاد کو کرامت بخشی اور انہیں خشکی اور تری میں سواری عطا کی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور انہیں اکثر مخلوقات پر، جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے، فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔" اللہ تعالی نے انسان کو یہ کرامت اور برتری بخشی ہے کہ وہ خلیفہ اللہ بن سکتا ہے : إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً یعنی: "بےشک میں زمین میں خلیفہ بنا رہا ہوں۔" لہذا انسان کی کرامت، اُس کی خلافت کی مرہونِ منت ہے او یہ خلافت انسان کے تمام علمی او رعملی امور میں اپنے خالق کے ارادہ کے تابع ہونے میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ اگر انسان اپنے علمی اور عملی کاموں میں خدا کے ارادہ کے تابع نہ رہے تو وہ خدا کا خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ قرآنی تعلیمات میں انسان کی شناخت یہی ہے۔ قرآن کریم کے مطابق انسان ذاتی طور پر حسن کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عالمِ

رنگ و بُو کےلئے زینت بخش ہے۔ انسان اس کائنات کا وہ عنوان ہے جس کے بغیر عالم ہستی کا کوئی عنوان معنی و مفہوم نہیں پاتا۔ بقول شاعر

الفاظ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے   معنی کی طرح ربط گفتار ہیں تو ہم ہیں۔

اس تناظر میں علامہ جوادی آملی کے مطابق، اسلامی Anthropology میں انسان ایک ایسی Triangle کی راس پر ہے جس کا Alpha اس کا خالق، Beta اس کا روح و بدن اور Gamma اس کی منزل یا غرض و غایت ہے۔اور سورہ مبارکہ "طہٰ" میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی زبانی انسانی مثلث کے ان اضلاع کی طرف معجزہ آسا الفاظ میں اشارہ ہوا ہے: قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى(50:20)یعنی: "(موسٰی علیہ السلام نے) فرمایا: ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو (اس کے لائق) وجود بخشا پھر (اس کے حسبِ حال) اس کی رہنمائی کی۔" لہٰذا قرآنی انسان شناسی میں انسانی مثلث کا Alpha جسے علامہ جوادی عاملی انسان کے "فاعلی نظام" کا نام دیتے ہیں، دراصل، انسان کی تخلیق و تربیت کے ان اسباب پر مشتمل ہے جو یکتا و یگانہ خدا کے خلق فرمودہ ہیں۔ جہاں تک انسانی Beta کا تعلق ہے، جسے وہ انسان کے "داخلی نظام" کا نام دیتے ہیں، انسان کی مجرد روح اور مادی جسم کی ترکیب پر مشتمل ہے اور جہاں تک اس مثلث کے Gamma کا تعلق ہے، جسے وہ انسان کے "غائی نظام" کا نام دیتے ہیں، درحقیقت، انسان کے ایک ابدی حیات سے ہمکنار ہونے کے ہدف اور غرض و غایت پر مشتمل ہے۔جہاں تک اس مثلث کے پہلے دو اضلاع کا تعلق ہے، تو وہ احسن الخالقین کے تخلیق کردہ ہیں، لیکن انسانیت کے تیسرے ضلع کی ترسیم و تکمیل خود انسان پر چھوڑ دی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کوئے کمال کا سالک ہے اور اسے اپنے قدموں پر چل کر منزل مقصود تک پہنچنا ہے۔ انسانیت کی منزل مقصود خلیفۃ اللہ بننے اور مدینۂ فاضلہ (Utopia) بنانے میں ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں انسان کا معیشت اور ماحولیات کے ساتھ رابطہ برقرار ہوتا ہے۔ دراصل، اسلامی تعلیمات میں انسان اور کائنات، دونوں نے اپنا وجود خدا سے پایا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ مسلسل ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا مضبوط معیشت اور سالم ماحولیات کے بغیر انسان کا نہ Beta استوار رہتا ہے، نہ Gamma۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کے پیش کردہ مدینۂ فاضلہ کی تشکیل کے تین بنیادی عناصر بھی مہذب انسان، مضبوط معیشت اور پاکیزہ ماحولیات ہیں۔ مدینہ فاضلہ کے ان بنیادی عناصر کی طرف قرآن کریم میں واضح رہنمائی موجود ہے اور علامہ جوادی آملی کے مطابق: " رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ...(126:2) یعنی: "اے میرے رب! اسے امن والا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے نواز!" جیسی آیات میں بیان ہونے والے وہ امور جن کی بازگشت آبادی، آزادی، امن اور سالم اقتصاد وغیرہ کی طرف ہے، یہ سب مدینۂ فاضلہ کے اوصاف و شرائط شمار ہوتے ہیں۔"[2]

نتیجہ یہ کہ اگر ہم انسان کی ماہیت کو اس مثلث پر تقسیم کر دیں جس کی اوپر ترسیم کی گئی ہے تو مضبوط معیشت اور سالم ماحولیات کے لئے انسان کی تگ و دَو اُس کی خلافت الہیہ کا لازمہ اور عینِ انسانیت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے انسان کو کائنات میں خلافت اور خلاقیت اسی لئے تو عطا کی ہے کہ وہ عالم طبیعت کے خام مواد سے اپنے لئے بہترین معیشت اور بہترین ماحول فراہم کرے۔

انسان اور معیشت

اوپر کہا جا چکا ہے کہ انسان کی کرامت، اُس کی الٰہی خلافت کی مرہونِ منت ہے او انسان کی الٰہی خلافت بذات خود، انسان کے تمام علمی اور عملی امور میں اپنے خالق کے ارادہ کے تابع ہونے میں پوشیدہ ہے۔لہٰذا خدا کے ارادہ کے مطابق مضبوط معیشت کےلئے تگ و دَو انسان کا فرضِ منصبی ہے۔ علامہ عبد اللہ جوادی آملی کے مطابق: "انسانی زندگی کےلئے مناسب بستر مہیا کرنے کی غرض سے اللہ تعالٰی نے خام مواد کو طبیعت کے دسترخوان کی غذا کے عنوان کے طور پر فراہم فرمایا اور

انسان کو ہوش، استعداد، ٹیکنالوجی، اور خلاقیت عطا کی تاکہ وہ ایک مہمان کی حیثیت سے عالم طبیعت کے خام مواد کے دسترخوان پر بیٹھے اور اس سے بہترین طریقے سے بہرہ مند ہو۔"[3]

چنانچہ ارشاد باری تعالٰی ہے:هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْہَا(61:11)یعنی: " اللہ نے تمہیں مٹی سے خلق فرمایا ہے اور تم سے زمین کی آباد کاری چاہی ہے۔ " اس آیت میں اللہ تعالٰی نے انسان سے زمین کی آباد کاری کا مطالبہ کیا ہے۔ کیونکہ استفعال کا باب (استعمار) یہاں تحقیق کےلئے ہے؛ یعنی خداوند تعالٰی نے تم سے اصرار کے ساتھ یہ مطالبہ کیا ہے کہ زمین کو آباد کرو تاکہ انسان کےلئے مناسب زندگی مہیا ہو۔قرآنی کی لغت میں استعمار کا مطلب زمین ، معادن، پہاڑوں، سمندروں ، صحراؤں، جنگلوں، ساحلوں وغیرہ کو آباد کرنے کی سنجیدہ جستجو اور مؤکد طلب کا نام ہے۔ اللہ تعالٰی نے ان تمام چیزوں کو "بکر" (Unused) خلق فرمایا ہے اور انسان کو انہیں آباد کرنے کی سوچ دی ہےاور ان کے منافع سے عادلانہ استفادے کا حکم دیا ہے اور اعلان فرمایا ہے کہ: "لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ" (32:4)یعنی: "مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان پر واجب بھی ہے کہ زمین کے اعماق سے لے کر آسمان کے سینہ تک، سب کو آباد کرے اور اس کے فوائد اور محصول اسی کے ہیں، نہ کسی غیر کے اور اس استفادے میں مرد اور عورت میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح سورہ اعراف میں بھی زمینی وسائل سے استفادہ انسان کا حق بھی شمار کیا گیا ہے اور اس کا الہٰی فریضہ بھی ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے: وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ(10:7)یعنی: "اور بےشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے۔" اس آیت سے جو بات سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اقتصاد میں کسی کے غلام نہ ہوں اور اگر انہوں نے اس حوالے سے کوتاہی کی تو ان سے پوچھا جائے گا اور قیامت کے دن انہیں اس کی سزا ملے گی۔ یہ ایک ہی معاملہ کے دو رخ ہیں؛ یعنی دین ایک طرف دینی معاشرہ کے اقتصادی استقلال کا خوہاں اور اسے انسان کا حق قرار دیتا ہے اور دوسری طرف اسے ایک الٰہی فریضہ بھی قرار دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دینی تعلیمات کی روشنی میں مضبوط معیشت انسان کا حق اور فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام طبیعی وسائل سے استفادہ پر تاکید کرتا ہے ۔ قرآن انسان کو کبھی وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ(10:62)(یعنی: " اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو!") کے بیان کے ذریعے اور کبھی فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِہَا(15:67) 'یعنی: زمین کے دوش پر چلو اور روزی تلاش کرو)" کی عبارت کے ذریعے عالم طبیعت کے وسائل سے استفادے کا حکم دیتا ہے۔ اس فرمان کا لازمہ معادن نکالنے کےلئے محنت کرنا، کھیتی باڑی، صنعت و تجارت اور عالم طبیعت کے خام مواد سے جس قدر ہو سکے استفادہ کرنا ہے۔

علامہ جوادی آملی کے مطابق: " قرآن کریم نے انسان کو زمین کی آبادکاری کا حکم دیا ہے اور اس سے اصرار کے ساتھ یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ زمین کی آبادکاری میں جان لڑائے۔ انسان کا فریضہ یہ ہے کہ اپنی طاقت کو بروئے کار لائے۔ لہٰذا جن لوگوں میں کھیتی باڑی، مویشی پروری، صنعت، پیشہ وری اور دوسرے مفید مشغلوں کی توانائی پائی جاتی ہو اور اس کے باوجود وہ محنت نہ کریں ، خواہ اس لئے کہ ان کے پاس مالی ثروت موجود ہو اور اپنے آپ کو کام کرنے سے بےنیاز پاتے ہوں، خواہ تن پروری کی وجہ سے ایسا کرنے سے کتراتے ہیں، انہوں نے نہ تنہا قرآن کریم کے حکم پر عمل نہیں کیا، تمام انبیائے الٰہی کے فرامین کو ٹھکرایا ہے۔"[4]

دراصل، اس عبارت کے مصنف کے مطابق الٰہی اقتصادیات Divine Economics کے بنیادی اصول تمام آسمانی ادیان میں مشترک ہیں۔ ان کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالٰی کے برگزیدہ اور ایک ہی غیبی خزانے سے خلق ہوئے ہیں اور ان سب کے فرامین آپس میں ہماہنگ اور ایک جیسے ہیں۔ ہر نبی لوگوں کو مبداء، معاد، وحی، فرشتے، زندگی کے سیدھے راستے وغیرہ کی دعوت دیتا ہے۔ اگر کوئی

ایک پیغمبر کی نبوت کو جھٹلائے اور اس کا انکار کرے تو گویا اس نے تمام انبیاء کی نبوت کو ٹھکرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ نعرہ لگائیں کہ: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ(136:2)یعنی: " ہم رسالت کی حقیقت اور رسولوں کو قبول کرنے میں کسی فرق کے قائل نہیں ہیں۔" پس شریعتوں کے اختلاف کے باوجود تمام انبیائے الٰہی کی دعوت و ارشاد کے بنیادی اصول یکساں ہیں۔
لہٰذا جب حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں: "اللہ تعالٰی نے تمہیں زمین سے خلق فرمایا ہے اور اس کا حکم ہے کہ زمین کو آباد کرو"، تو ہر وہ شخص جو اللہ تعالٰی اور انبیاء پر ایمان رکھتا ہے، اسے حضرت صالح علیہ السلام کے اِس حکم کی اطاعت کرنی چاہیے اور اس لحاظ سے سب کا یہ فریضہ ہے کہ زمین کو آباد کریں؛ خواہ ظاہری آبادکاری، خواہ باطنی آبادکاری اور ایسا بستر فراہم کرنا جس سے معاشرہ کی اصلاح ہو سکے۔
زمین کی آباد کاری اور معیشت کی فراہمی کے حوالے سے حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:" من وجد ماء و ترابا ثم افتقر فابعده اللہ"[5]یعنی: " جس شخص کے پاس پانی اور زمین ہو اور اس کے باوجود وہ فقر میں مبتلا ہو تو وہ رحمت الٰہی سے دور ہے۔"لہٰذا جس ملت کے پاس پانی اور کھیتی باڑی کےلئے وافر مقدار میں زمین موجود ہو لیکن وہ پانی کا صحیح استعمال اور زمین کی اصلاح نہ کر سکے، ان سے استفادہ نہ کرے اور نکمے پن یا غلط کاری کی وجہ سے محتاج ہو جائے تو ایسی قوم اللہ کی رحمت سے دور ہے۔ اللہ تعالٰی نے انسان کےلئے تمام موجودات عالم کو مسخر کر دیا ہے۔
سورہ ابراہیم میں ارشاد فرماتا ہے:اَللّٰہُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ۰ وَسَخَّــرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْہٰر وَسَخَّــرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕـبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّہَارَ(32:14،33)یعنی: "اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا پھر اس پانی کے ذریعہ سے تمہارے رزق کے طور پر پھل پیدا کئے، اور اس نے تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی رہیں اور اس نے تمہارے لئے دریاؤں کو (بھی) مسخر کر دیا۔اور اس نے تمہارے فائدہ کے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا جو ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو بھی مسخر کر دیا۔" ان آیات میں "سَخَّــرَ " کا کلمہ چار بار مکرر آیا ہے اور "لَكُمُ " کی ضمیر خطاب بھی کئی بار دہرائی گئی ہے جس سے تمام موجودات عالم کا انسان کےلئے مسخر ہونا روز روشن کی طرح برملا ہو جاتا ہے۔
اللہ تعالی نے سب موجودات کو خدا نے حکم دیا ہے کہ وہ راہ خدا کے سالک انسان کی پیروی کریں اور اُس کے سامنے تسخیر ہو جائیں۔ لہٰذا انسان اور طبیعت کا رابطہ تسخیری رابطہ ہے اور انسان کے طبیعت کی تسخیر کے طفیل اپنی معیشت کا اہتمام کرنا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان نعمتوں سے مثبت اور احسن طریقے سے استفادہ کیا جائے۔ اگر انسان بھی سمندر سے عام استفادہ کرے تو وہ اس میں اور آبی مخلوقات اور دریائی پرندوں میں کوئی فرق نہ رہے گا اور سمندر کی انسان کےلئے تسخیر بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ اگر انسان سمندر کے پانی اور اس میں کشتیرانی سے بڑھ کر الٰہی نعمتوں کے سمندر میں غوطہ ور ہو کر سمندر کے اعماق میں، اُس کی اندرونی اور بیرونی فضا میں علمی تحقیقات انجام دے اور سمندری معادن اور اس کے دل میں موجود سرمائے کو پہچانے اور انسانیت کی خدمت میں پیش کرے تو اس وقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے تسخیر شدہ سمندر سے صحیح فائدہ اٹھایا ہے۔ جیسا کہ اگر انسان فقط سورج کی گرمی اور روشنی سے استفادہ کرے تو انسان اور دیگر زندہ موجودات؛ خواہ حیوانات، خواہ نباتات، میں کوئی فرق نہ ہو گا۔ صرف وہ شخص یہ دعوی کر سکتا ہے کہ اس نے سورج کی نعمت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور آیہ کریمہ "سَخَّــرَ لَكُمُ الشَّمْسَ" پر عمل کیا ہے جو سورج سے اٹھائے جانے والے مختلف فائدوں اور اس کے اقتصادی منافع کو جانتا ہو اور انہیں عالمِ بشریت کے سپرد کر سکے۔
زمین کو بھی خدا نے انسان کےلئے مسخر کیا ہے تاکہ اس پر آسانی سے زندگی گزار سکے؛ کھیتی باڑی کےلئے اس میں ہل چلا سکے اور معادن نکالنے کےلئے زمین شناسی اور معدن شناسی کے

مختلف شعبوں میں تحقیقات کےلئے زمین کے اعماق میں کھدائی کر سکے اور زمین میں موجود Faults ، نیز زلزلہ خیز علاقوں کی تشخیص کےلئے گہری تحقیقات انجام دے سکے تاکہ لوگ رفاہ اور امن کی زندگی سے مستفید ہوں۔ لیکن اگر انسان زمین سے بس اتنا استفادہ کرے کہ اس پر آشیانہ بنائے اور معمول کی زندگی گزارے تو زمین سے یہ فائدہ تو حیوانات بھی اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ انسان زمین کے اعماق میں جا کر تیل، گیس اور دیگر زمینی وسائل نکالتا ہے، اسے چاہیے کہ فضا اور اس کے موجودات سے بھی بھرپور فائدہ اٹھائے۔اسلام میں معیشت کی فراہمی کی اہمیت کے حوالے سے امام باقرعلیہ السلام کا فرمان ہے کہ: " من طلب الدنیا استعفافا عن الناس و سعیا علی اهله و تعطفا علی جاره لقی الله (عز و جل) یوم القیامة و وجهه مثل القمر لیلة البدر"[6]یعنی:" جو شخص لوگوں سے بے نیازی، اپنے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنے اور اپنے ہمسایہ پر انفاق کی غرض سے دنیا بنانے کےلئے محنت کرتا ہے،وہ قیامت کے دن اس حال میں اللہ تعالٰی سے ملاقات کا شرف پائے گا کہ اس کا چہرہ چودہویں رات کے چاند کی مانند چمک رہا ہو گا۔"

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت کی پیروی، معیشتی امور میں فعالیت کو بھی اتنا مقدس بنا دیتی ہے جتنا کہ خدا کی راہ میں جہاد مقدس ہے۔ لہٰذا دین مقدس اسلام کے مطابق مقدس امور فقط دعا و عبادات میں محدود نہیں، بلکہ ان کا دائرہ کار اس سے وسیع تر ہے اور ثروت کی عادلانہ تقسیم اور قوم و ملک کےلئے اقتصادی وسائل کی فراہمی جیسے اقتصادی امور بھی جب اللہ تعالٰی کے قرب اور اس کی رضا کے حصول کی غرض سے انجام دیے جائیں تو اس دینی اور قدسی شمار ہوتے ہیں اور ان کی انجام دہی ایک مومن انسان کےلئے اُس کی خلافت الٰہیہ کا تقاضا ہے ۔

معیشت کی ترقی پر تاکید

علامہ عبداللہ جوادی آملی کے مطابق قرآن کریم نے زراعت و صنعت کی ترقی پر خاص توجہ دی ہے۔ انبیائے الہی کی اس حوالے سے سعی و تلاش اور سیرت کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے انبیاء نے صنعتی وسائل سے استفادہ کی روش اپنائی۔ ، قرآن کریم اس روش کو یوں بیان کرتا ہے: ۔۔۔ وَاَسَلْنَا لَہٗ عَيْنَ الْقِطْرِ(12:34) یعنی: "ہم نے ان کےلئے پگھلی چاندی کا چشمہ جاری کر دیا"؛يَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَــوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ(13:34) یعنی: " وہ (جنّات) ان کے لئے جو وہ چاہتے تھے بنا دیتے تھے۔ اُن میں بلند و بالا قلعے اور مجسّمے اور بڑے بڑے تھال تھے جو تالاب اور لنگر انداز دیگوں کی مانند تھے۔ اے آلِ داؤد! (االلہ کا) شکر بجا لاتے رہو، اور میرے بندوں میں شکرگزار کم ہی ہوئے ہیں۔" ان آیات اور تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں معماری کی صنعت کو عروج حاصل تھا۔ عالیشان عمارتیں اور اعلیٰ و ارفع قصر بنائے گئے۔ اسی طرح نقاشی اور ہنر کی صنعت میں فرشتوں، پیغمبروں اور صالحین کے مجسمےانتہائی خوبصورتی سے بناتے تھے ۔ بڑے بڑے برتن اور دیگیں بنائی گئیں۔ سباء کی ملکہ کا حضرت سلیمان (ع) کے صحن میں داخل ہونے کا قصہ اور ان کا وہ شیشے کا ظریف تخت دیکھنا اور یہ تصور کرنا کہ وہاں پانی ہے اور پنڈلیوں سے لباس اتارنا،یہ سب کچھ اس دَور کی معماری کی صنعت ، ہنر اور صنعت کی پیشرفت کی دلیل ہے: فَلَمَّا رَاَتْہُ حَسِبَتْہُ لُجَّـۃً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْہَا قَالَ اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔۔(44:27) یعنی: " جب ملکہ نے اس فرش کو دیکھا تو اسے گہرے پانی کا تالاب سمجھا اور اس نے (پائینچے اٹھا کر) اپنی دونوں پنڈلیاں عریان کر دیں ۔"

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد، حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ ذمہ داری ملی کہ وہ اس الٰہی غیبی نعمت سے کہ ان کے ہاتھ میں سخت ٹھنڈا لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا، زرہ بافی کی صنعت کو فروغ دیں اور زرہ کے حلقوں اور مہروں کے درمیان باہمی نظم کا خیال رکھیں۔ اس حوالے سے قرآن کریم کا بیان یہ ہے:وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَہٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔۔(10،11:34) یعنی: " اور بےشک ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی بارگاہ سے بڑا

فضل عطا فرمایا، (اور حکم فرمایا:) اے پہاڑو! تم اِن کے ساتھ مل کر خوش اِلحانی سے (تسبیح) پڑھا کرو، اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا اور ہم نے اُن کے لئے لوہا نرم کر دیا (اور ارشاد فرمایا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کو ملحوظ رکھو اور (اے آلِ داوؤد!) تم لوگ نیک عمل کرتے رہو۔" اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد ہوا ہے: وَعَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ لِتُحْصِنَکُمْ مِّنْۢ بَاْسِکُمْ ۚ فَہَلْ اَنْتُمْ شٰکِرُوْنَ(80:21)یعنی: "اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لئے زِرہ بنانے کا فن سکھایا تھا تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے، تو کیا تم شکر گزار ہو؟"
شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا شمار صنعت کے علم سے درست استفادہ کرنے میں سابقین میں سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے انہیں کشتی سازی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی توفیق دی اور ان کی تائید فرمائی۔ اس حوالے سے قرآن کریم کا فرمان ہے: فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا(27:23) یعنی: "پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ۔" نیز جناب ذوالقرنین کی اس زمانے میں میسر وسائل سے بھرپور استفادے کی پسندیدہ روش کے بارے میں قرآن نے بتایا ہے کہ آپ تمام ضروری امکانات سے بہرہ مند تھے۔ انہوں نے قابل توجہ کام انجام دیے جن میں سے ایک ناقابل نفوذ بند کی تعمیر تھی جو اونچائی اور صیقل ہونے کی وجہ سے قابل فتح نہ تھا اور مضبوط بھی اس قدر تھا کہ اس میں نقب زنی یا سوراخ کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ کیونکہ یہ اہم بند، مٹی، اینٹ، پتھر، سیمنٹ اور ان جیسی چیزوں سے نہیں، بلکہ عظیم آہنی بند تھا جو لوہے اور سکے کے پگھلائے گئے ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا:اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰٓي اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓي اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْہِ قِطْرًا(96:18)یعنی: "تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دو، یہاں تک کہ جب اس نے (وہ لوہے کی دیوار پہاڑوں کی) دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کر دی تو کہنے لگا: (اب آگ لگا کر اسے) دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس (لوہے) کو (دھونک دھونک کر) آگ بنا ڈالا تو کہنے لگا: میرے پاس لاؤ (اب) میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا۔"
ان آیات کی روشنی میں مجموعی طور پر ایک دینی حکومت کی الٰہی اقتصادیات کی جہت کا پتہ چلتا ہے اور اس سے معیشت و اقتصادیات کے وہ کلی قوانین سامنے آتے ہیں جو ایک طرف معیشت کی ترقی کی ضمانت فراہم کرتے اور دوسری طرف معیشت کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرتے ہیں۔ اسلام کے معیشت کی ترقی کے حوالے سے تشویقی احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں صنعت کی پیشرفت، ایک پسندیدہ اور مورد ترغیب امر ہے۔ علامہ جوادی آملی کے بقول: "حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سازی کی صنعت، ہر قسم کے سمندری، زیر سمندری نقلی وسائل کےلئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ نیز یہ زمینی اور ہوائی ذرائع حمل و نقل کےلئے بھی ایک عام نمونہ ہے۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ بافی کی صنعت ہر قسم کے دفاعی وسائل کی ساخت کےلئے ایک ماڈل ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی معماری، Handicraft اور ظریف ہنری کام اور دھات کے برتن بنانے کی صنعت ایسی صنعتوں کےلئے ایک نمونہ اور ماڈل ہے جن سے انسانوں کی فردی اور اجتماعی، نیز ہنری اور ادبی ضروریات برطرف ہوتی ہوں۔"[7] خلاصہ یہ کہ انبیائے الٰہی کی سیرت و کردار کی روشنی میں ایک دینی معاشرے میں صنعت کی ترقی پر خاص توجہ ضروری اور ہر زمانے میں اس زمانے کے لوگوں کی علمی اور عملی ضروریات پوری کرنے کےلئے صنعت سے صحیح سمت میں بھرپور استفادہ لازمی ہے۔
جہاں تک اسلام کی ان تعلیمات کا تعلق ہے جو معیشت کی ترقی میں حائل رکاوٹیں دور کرتی ہیں، ان میں امانت کی پاسداری، اموال کی گردش، طبقاتی تقسیم اور سرمایہ داری کی ممانعت کو معیشت و اقتصادیات کے کلی قوانین شمار کیا جا سکتا ہے۔ امانت کے حوالے سے ارشاد باری تعالٰی ہے: اِنَّ اللہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا(58:4)یعنی: "بےشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔" یقینا ایک دوسرے کی امانتوں کے احترام کی معیشت پر تاثیر ایک

اقتصادان کےلئے بہت واضح ہے۔ اسلام میں کسی شخص یا گروہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرے۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک معاشرہ میں موجود تمام اموال، تمام انسانوں کے امور کی اصلاح کےلئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام شخصی ملکیت کا قائل ہونے کے باوجود یہ اجازت نہیں دیتا کہ شخصی مالکیت کا قانون، معاشرے کی محرومیّت کا سبب بنے۔ اسلام مسلم امت کو زراندوزی کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی لوگوں کے شخصی اموال پاگل، بے عقل اور دیوانوں کے سپرد کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن کریم کا بیان یہ ہے: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيٰمًا... (5:4)یعنی: " اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ "

اسی طرح اسلام مال اندوزی سے روکتا ہے اور اسلام کی نظر میں ان کاموں کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی رگ میں دوڑتا خون کسی جگہ رک جائے، کہ جس سے تمام اعضاء فالج زدہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا اسلام معاشرے کے تمام طبقات کےلئے سرمائے کے بہاؤ کو لازم قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّہَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا يُنْفِقُوْنَہَا فِيْ سَبِيْلِ اللہِ فَبَشِّرْہُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ(34:9)یعنی: " اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔" یہ آیت اور اس جیسی آیات مال کے رکود سے ممانعت اور اس کے معاشرے کے سب اعضاء کے اندر بہاؤ کے لازمی ہونے کی دلیل ہیں۔لہٰذا اسلام یہ اجازت نہیں دیتا کہ ایک ملک کی ثروت ایک خاص طبقہ کے ہاتھوں میں گردش کرتی رہے اور دوسروں کے ہاتھوں میں بالکل نہ پہنچے؛ بلکہ اسلام یہ فتویٰ دیتا ہے کہ ثروت کی گردش مکمل ہونی چاہیے تاکہ یہ سب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے اور: " (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے -": كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَۃًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ(7:59) جیسی آیات اس مطلب کی دلیل ہیں۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی بھی صورت میں مال کو مخصوص اشخاص یا مخصوص عہدوں کے ہاتھوں میں محصور نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرنی چاہیے۔

علامہ جوادی آملی کے بقول: " اسلام کی یہ سوغات، سالم اقتصادیات کی عالی اساس ہے جس کی بنیاد پر سرمایہ داری کے "فضلے" اور حکومت سالاری اور مارکسیزم کے "خون" کے درمیان سے دینی اقتصاد کی خالص "دودھ" کو جدا کیا جا سکتا ہے تاکہ پہلے کی افراط اور دوسرے کی تفریط سے نجات پاتے ہوئے اسلامی عدالت کے مرکزی ستون تک رسائی حاصل ہو سکے۔"[8] اسلام رضایت کی تجارت جیسے جائز طریقوں سے سرمائے کی مکمل گردش اور لوگوں کے ہاتھوں میں مال کی گردش کو پسند کرتا ہے۔ اسلام وراثت اور بخشش وغیرہ کے علاوہ مال کے انتقال اور گردش کا اصلی ذریعہ، رضایت کی تجارت کو قرار دیتا ہے۔ اسلام کی رو سے رضایت کے بغیر تجارت یا جوئے جیسے امور میں تجارت کے بغیر رضایت، دونوں ممنوع ہیں۔ ارشاد باری تعالٰی ہے:" يٰٓاَيُّہَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ(29:5)"یعنی: "اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو۔"

نیک کرداری اور معیشت

علامہ جوادی آملی کے مطابق اس مطلب پر توجہ ضروری ہے کہ دین حقوق اور فرائض دونوں بیان کرتا ہے۔ خدا نے انسان کو جہاں حق حاصل خیز زمین، سالم فضا، فراوان اور صاف پانی اور ایسے دسیوں طبیعی وسائل کا مالک بنا کر اسے ان میں تصرف کا حق دیا ہے، وہاں انسان کے فرائض بھی رکھے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے انسان کو یہ فریضہ بھی سونپا ہے کہ وہ ان وسائل سے استفادہ کرنے میں خود انہیں نابود نہ کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے زمین میں فساد پھیلانے والوں کو تلخ انجام کی وعید سنائی ہے۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسان کی معیشت کا اس کے کردار کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ اس مدعی پر یہ آیت دلیل ہے جس میں ارشاد باری تعالٰی ہے:وَّاَنْ لَّوِ اسْتَـقَامُوْا عَلَي الطَّرِيْقَۃِ لَاَسْقَيْنٰہُمْ مَّاۗءً غَدَقًا(16:72)یعنی: "اور یہ کہ اگر وہ ((ذِکرِ الٰہی کے) راستے پر قائم رہتے تو ہم انہیں وافر پانی کے ساتھ سیراب کرتے۔" اس آیت کی بنیاد پر، راہ راست پر استواری، وافر پانی سے بہرہ مندی کا سبب ہے جو خشک کھیتوں، چراگاہوں، جنگلوں، حیوانوں اور انسانوں کو سیراب کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ لوگوں کے نیک کاموں کی وجہ سے انہیں اپنی برکتوں اور مادی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ ایک اور آیت میں انسانی عمل اور معیشت کےرابطہ کے حوالے سے ارشاد باری تعالی ہے : وَلَوْ اَنَّہُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْہِمْ مِّنْ رَّبِّہِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِہِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِہِمْ(66:5)یعنی:"اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا تھا قائم کردیتے تو (انہیں مالی وسائل کی اس قدر وسعت عطا ہوجاتی کہ) وہ اپنے اوپر سے (بھی) اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (بھی) کھاتے۔" جس طرح ایمان، تقوا اور گناہوں کی بخشش کا بہشت میں داخل ہونے کے ساتھ رابطہ ہے، اسی طرح تورات، انجیل اور قرآن کے احکام پر عمل کا بھی آسمانی و زمینی نعمتوں سے مستفید ہونے سے رابطہ ہے۔ " مِنْ فَوْقِہِمْ " سے مراد وہ آسمانی نعمتیں ہیں جو بارش، برفباری یا سورج کی روشنی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں اور " وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِہِمْ " سے مراد زمینی نعمتیں، زمین کا زرخیز ہونا اور زمین کے دل سے چشموں اور ندی نالوں کا جاری ہونا ہے۔

سورہ اعراف میں بھی انسانی عمل اور معیشت کےرابطہ ان الفاظ میں جوڑا گیا ہے:وَلَوْ اَنَّ اَہْلَ الْقُرٰٓي اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْہِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ(96:7) یعنی:"اور اگر (ان) بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقوٰی اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔" اس آیت کی اساس پر شہروں اور دیہاتوں کے بسنے والوں کا تقوی اور ایمان آسمانی اور زمینی برکتوں کے دروازوں کے کھلنے کا موجب بنتا ہے۔ یہ آیت انسان کے اعمال اور کائنات کے حوادث کے درمیان رابطہ ثابت کرتی ہے۔ اور اس میں جن آسمانی برکتوں کی بات کی گئی ہے ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کیونکہ بعض مفسرین کے مطابق " بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ " سے مراد فقط برفباری، بارش اور سورج، چاند کی روشنی جیسی آسمانی برکتیں اور فصلوں، پانی کے سرچشموں اور پھلوں، پھولوں جیسی زمینی برکتیں ہی نہیں، بلکہ آسمانی برکتوں سے کشفی اور شہودی علوم اور زمینی برکتوں سے تمام حصولی علوم بھی مراد ہیں۔[9]

قرآن اس نکتہ سے پردہ ہٹاتا ہے کہ انسان اگر حدود الہی کے اندر رہتے ہوئے معیشت کی تلاش کرے تو زمین و آسمان، بادل، ہوا، چاند، سورج اور عالم طبیعت کی تمام طاقتیں انسان کے کام آتی ہیں اور اسے سامان معیشت فرام کرتی ہیں۔ لیکن اگر انسان اپنے خدا کے خلاف قد علم کرے تو نظام ہستی کے تمام مظاہر اس سے ٹکراتے اور ردّ عمل دکھاتے ہیں۔ بنابریں، کائنات کےحوادث ایک حد تک لوگوں کے اپنے اعمال کے تابع ہیں؛ یعنی اگر لوگ اللہ تعالٰی کی اطاعت کریں اور اس کی بندگی کا راستہ اپنائیں تو ان پر اس کی رحمت اور برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر وہ اللہ تعالٰی کی بندگی سے انحراف اختیار کریں اور گمراہی کی وادی میں قدم رکھیں اور باطل اندیشہ اور فاسد انگیزہ میں مبتلا ہو جائیں تو معاشرے میں فساد برپا ہو جاتا ہے اور یہ فساد خشکی اور سمندر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ستم، جنگ، ناامنی اور تمام برائیوں کے سبب اقوام کو ہلاکت کے دہانے لا کھڑا کرتا

ہے۔ نیز سیلاب، زلزلہ، آسمانی بجلی جیسی خانماں سوز بلاؤں اور مصیبتوں سے انہیں دچار کر دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سیل عَرِم (16:34)، طوفان نوح(14:29)، ثمود پر آسمانی بجلی(17:41) اور عاد کی صرصر(6:69) کو انہی حوادث میں سے قرار دیتا ہے۔
ناخوشگوار حوادث کی ایجاد میں برے اعمال کی تاثیر پر قرآن کریم کی آیات کے علاوہ بہت سی روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:" جب ایک معاشرہ گناہوں میں آلودہ ہو جائے تو اللہ تعالٰی نے ان کےلئے جو بارش لکھی تھی اس سال اسے ان پر نہیں برساتا بلکہ اسے وسیع بیابانوں، سمندروں اور پہاڑوں پر برسا دیتا ہے ۔ ۔۔ پھر فرمایا: "اے بابصیرت لوگو! نصیحت پاؤ۔۔ جب لوگ کم فروشی کرنے لگیں تو خداوند انہیں قحط اور فصلوں کی کمی کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور جب وہ زکات ادا نہ کریں تو زمین بھی انہیں زراعت، پھلوں اور اپنی معادن سے محروم کر دیتی ہے اور جب قضاوت میں ظلم کریں اور ظلم و ستم میں ایک دوسرے کی مدد کرنے لگیں اور پیمان شکنی کرنے لگیں تو اللہ تعالٰی ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دے گا او رجب وہ قطع رحم کریں تو ان کے اموال شریر لوگوں کے ہاتھ میں آ جائیں گے۔۔۔"[10] بعض روایات کے مطابق: "انّ المؤمن لینوی الذنب فیحرم رزقہ"[11] یعنی: "جب ایک مؤمن گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔"
انسان کے کردار کے اس کی معیشت کے ساتھ رابطہ پر کئی آیات دلالت کرتی ہیں۔علامہ جوادی آملی کے مطابق سورہ انفال کی آیت ۳۸، سورہ الاسراء کی آیت ۸ اور ۱۶ اور سورہ روم کی آیت ۴۱ اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں کہ ہمیشہ لوگ فردی اور سماجی گناہوں کے سبب تلخ حوادث اور الٰہی نعمتوں اور برکتوں سے محرومیّت میں مبتلا ہوئے۔ ان کے مطابق ان آیات کا نچوڑ یہ ہے کہ طبیعت کے Disasters کا انسان کے طبیعت کے ساتھ Behavior کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور انسان کے ایمان، اس کے تقویٰ اور طرزِ زندگی کا اس کی معیشت پر بہت گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔

اسلام اور ماحولیات

ارشادِ خداوندی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (24:8) یعنی: "ائے ایمان والو! جب بھی رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔" یقینا ایک حیات بخش دین ہونے کے ناطے اسلام انسانی زندگی پر اثر انداز تمام عناصر کا احاطہ کرتا اور ان کی تقویت کرتا ہے۔ ایسے میں اگر آج یہ نکتہ ہر نکتہ داں کےلئے واضح ہے کہ سالم ماحولیات کے بغیر مضبوط معیشت اور صحت مند زندگی کا تصوّر ناممکن ہے تو الٰہی ادیان میں بھی ہماری توجہ ہمیشہ اس امر پر مبذول کروائی کہ ہم ماحولیات کی حفاظت کریں تاکہ اپنی زندگی اور معیشت کی حفاظت کر سکیں۔ علامہ جوادی آملی کے مطابق: " انبیائے الٰہی پر ہمیشہ متنوع شریعتوں اور طریقتوں کی صورت میں ظاہر ہونے والے الٰہی حنیف دین میں ماحولیات کے مسائل کو پہچاننا، اس کا حصول اور اس کی تخریب سے پرہیز اور اسے سالم رکھنے کےلئے کوشش کرنا، روشن ترین انسانی حقوق اور واضح ترین انسانی ذمہ داریوں میں سے شمار ہوتا ہے؛ تاکہ معاشرے کی نشاط کے ہمراہ اُس کی سلامتی اور معاشرے کے افراد کی خوشی کے ہمراہ اُن کی صحت کی ضمانت دی جا سکے۔ "[12]
درحقیقت، اسلام، انسان اور ماحولیات کے رابطے کو ارادہ خداوندی سے جوڑکر ماحولیات کی پاکیزگی کی ایسی لافانی اساس فراہم کرتا ہےجو کوئی الحادی مکتب پیش نہیں کر سکتا۔اسلام کے مطابق اگر انسان اپنی ماحولیات پر ظلم کرے تو یہ اس کا اپنے خدا کے حق میں ظلم شمار ہوتا ہے۔ اسلامی آئیڈیالوجی میں جس طرح انسان کا وجود ایک امانت کے طور پر اس کے اختیار میں ہے، اسی طرح عالم طبیعت بھی خدا کا مال ہے جو انسان کو بطور امانت سونپا گیا ہے جس میں ناروا تصرف، خدا کے مال اور امانت میں خیانت اور ظلم ہے۔ لہذا ایک کافر تو ماحولیات کو آلودہ کرنے میں بے باک ہو سکتا ہے لیکن ایک راسخ العقیدہ مسلمان ایسا کرنے حق نہیں رکھتا۔ اسلامی

تعلیمات میں ماحولیات کی حفاظت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک درخت کی آبیاری کا ثواب ایسا ہے جیسے ایک تشنہ مؤمن کو سیراب کیا جائے۔ پیغمبر اکرمﷺ فرماتے ہیں:" من سقی طلحۃ او سدرۃ فکانّما سقی مؤمنا من ظماء"[13] یعنی: "جس نے کیکر یا بیری کے ایک درخت کو سیراب کیا گویا اس نے ایک تشنہ لب مؤمن کو سیراب کیا ہے۔" جب ایک درخت کی آبیاری کا ثواب اتنا ہو جتنا ایک مومن کی پیاس بجھانے کا ثواب ہے تو یقینا درخت لگانا اور سبزہ اگانا بھی انسان کی اخروی سعادت کا وسیلہ ہے۔

علامہ جوادی آملی کے مطابق ماحولیات کی لغت، انسان کے مقامِ خلافت الٰہیہ کے ساتھ آمیختہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الٰہی ادیان اور دین مبین اسلام میں گلی، کوچوں اور عوامی مقامات اور فضا کو آلودہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آلودہ ماحولیات کو پاک کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:" من اماط عن طریق المسلمین ما یؤذیھم کتب اللہ لہ اجر قرائۃ اربعمائۃ آیۃ، کل حرف بعشر حسنات"[14] یعنی:"جو شخص مسلمانوں کے راستے سے وہ چیز جو گذرنے والوں کےلئے اذیت کا موجب ہو، ہٹا دے تو اللہ تعالٰی اُس کے نامہ اعمال میں چار سو آیت کی تلاوت کا ثواب لکھ دیتا ہے، کہ ہر حرف کی تلاوت کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہے۔" یہاں راستے سے مراد فقط زمینی راستے نہیں، بلکہ اس سے سمندری اور فضائی راستے بھی مراد ہیں۔اسی طرح اذیت دینے والی چیزوں سے مراد بھی فقط عبوری موانع نہیں، بلکہ ہر وہ چیز مراد ہے جو گذرنے والوں کی تکلیف کا سبب بنے اور معاشرے کی نشاط یا سلامتی کے بعض عناصر کو نابود کر دے؛ جیسے کوڑا کرکٹ کی بدبو، کارخانوں کا دھواں، صوتی آلودگی اور ٹریفک کا رش بھی آنحضرت کے اس خالص فرمان کا نمونہ ہیں اور ماحولیات کے قوانین کی پابندی ایک دینی مقدس متن کی تلاوت کے تقدس کے ہم وزن ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: "ان اللہ عزّوجل اذا انعم علی عبد نعمۃ احبّ ان یری علیہ اثرھا، قیل: و کیف ذلک قال: ینظّف ثوبہ و یطیّب ریحہ و یحسن دارہ و یکنس افنیتہ..."[15] یعنی: "اللہ تعالٰی کو محبوب ہے کہ جب وہ اپنے کسی بندے کو نعمت دے تو اس پر اس نعمت کا اثر نظر آئے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ: کیسے؟ تو فرمایا: ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے لباس کو پاکیزہ رکھے، خود کو خوشبو لگائے، اپنا گھر اچھا بنائے اور اپنے صحن کو صاف ستھرا رکھے۔" لہذا جو شخص ہوا کی تطہیر کی بجائے اسے آلودہ کرتا ہے اور زمین کی آبادی کی بجائے اسےویران کرتا ہے اور شجرکاری کی بجائے، درختوں کو کاٹتا ہے اور سمندروں اور صحراؤں کو پاکیزہ رکھنے کی بجائے انہیں آلودہ کرنے میں کوئی آڑ محسوس نہیں کرتا، ایسا اندھا شخص بے دریغ جھوٹ بولتا ہے اور جس طرح ماحولیات کو آلودہ کرتا ہے، اسی طرح خلافتِ الہیہ کے باشکوہ عنوان کو بھی آلودہ اور غارت کرتا ہے۔امام سجاد علیہ السلام اگر راستے پر کوئی پتھر، ڈھیلا دیکھتے تو سواری سے اتر کر اسے راستے سے ہٹاتے تاکہ گذرنے والوں کے راستے میں مانع نہ بنے۔[16] حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گذر رہے تھے اور دیکھا کہ اس قبر میں مدفون شخص کو عذاب ہو رہا ہے۔ اگلے سال اسی قبر کے پاس سے گذرتے ہوئے دیکھا کہ اب صاحب قبر پر عذاب نازل نہیں ہو رہا۔ پوچھا: خدایا! اس کے عذاب کے ٹل جانے کا سبب کیا ہے؟ ارشاد ہوا: اس کا بیٹا جوان ہو گیا ہے اور اس نے ایک راستہ بنوایا ہے اور ایک یتیم کو پناہ دی ہے، جس کے نتیجہ میں اس کا گناہ بخش دیا گیا ہے۔[17]

پس دین کے نکتہ نگاہ سے ماحولیات کی پاکیزگی اور سالم زندگی میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ جس طرح احتیاط اور حفاظتی تدابیر، علاج و معالجہ پر مقدم ہیں، اسی طرح پاکیزہ ہوا اور مناسب ماحولیاتی کی فراہمی بھی آلودہ ماحولیات کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کی تلافی پر مقدم ہیں۔ماحولیات کی سلامتی کا مطلب زمین، ہوا، پانی، مٹی، صحرا، پہاڑ، ریگستان، نباتات، حیوانات، تمام موجودات کے حقوق کا خیال رکھنا اور اُن ماحولیاتی امور کی پاسداری ہے جن کا معاشرہ کی زندگی سے رابطہ ہے ۔ لہذا معاشرہ کے عوام اور حکمران، سب کا فریضہ ہے کہ اس اہم ذمہ داری کی

انجام دہی میں بھرپور محنت اور تگ و دَو کریں اور ماحولیات کو آلودگی سے بچائیں ۔ پیغمبر اکرمﷺ نے فرمایا: "ثلاث ملعون من فعلھن المتغوط فی ظل النزال، والمانع الماء المنتاب و ساد الطریق المسلوک"[18] یعنی: "تین طبقے اپنے ناروا کاموں کی وجہ سے اللہ تعالٰی کی لعنت کے مستحق ہیں:الف)جو عوامی مقامات، سایہ بانوں، پارکوں اور مسافروں کی آرامگاہوں کو آلودہ کریں۔ب) جو باری کے پانی کو غصب کریں؛ یعنی دوسروں کے باری کا خیال نہ رکھیں۔ ج) جو راستہ روکیں اور گذرنے والوں کے لئے رکاوٹیں کھڑی کریں۔"

اسلامی تعلیمات میں جہاں ماحولیات کی پاکیزگی کو بہت اہمیت دی گئی ہے وہاں اسے آلودہ کرنے کی بھرپور مذمت کی گئی ہے۔ اسلام کے نکتہ نگاہ سے ماحولیات کو آلودہ کرنے والا ابلیس سے کم نہیں۔ ارشاد باری تعالٰی ہے: وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِي الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْہَا وَ یُہْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (205:2)یعنی: "اور جب وہ لوٹتا ہے تو زمین میں فساد انگیزی اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کر نے کےلئے بھاگ دوڑ کرتا ہے ، اور االلہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔" اس آیت کی تفسیر میں علامہ جوادی آملی کا مدعا یہ ہے کہ ہر عامل کی قدروقیمت کا دارومدار اُس کے عمل پر ہے اور جب عمل (فساد) محبوب نہ ہو تو عمل انجام دینے والا بھی محبوب نہیں ہو سکتا بلکہ مبغوض ہو گا۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے مذکورہ بالا آیت میں زمین میں فساد پھیلانے اور طبیعی وسائل کو برباد کرنے کی نسبت ابلیسی نظام اور طاغوتی حکمرانوں کی طرف دی ہے جو طبیعی وسائل سے ذاتی بہرہ مندی کے درپے ہوتے ہیں اور اگر ان وسائل سے دوسرے لوگوں کو فائدہ اٹھاتا دیکھیں تو انہیں نابود کرنے کی تگ و دَو کرتے اور کرہ ارض پر تباہی مچاتے ہیں: اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَۃً اَفْسَدُوْہَا (34:27)یعنی: "بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تواسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں ۔"

آج عالم انسانیت کا المیہ یہی ہے کہ اسی خُلق و خُو کے مالک سیاسی نظام اور حکمران ماحولیات کی حفاظت کے علمبردار بنے پھرتے ہیں۔ حالانکہ علامہ جوادی آملی کے بقول ماحولیات کی حفاظت اور انسان کی سلامتی کے باب میں ہر حق بات، ابراہیمی انبیاء کے پیغام سے ماخوذ ہے۔ ادیان الٰہی میں سالم ماحولیات انسان کا حق ہے اور اس کی حفاظت انسان کا فرض۔ قرآن اور دینی پیشواوں کے فرمان میں انسان کی زندگی کی اصلاح اور ماحولیات کی سلامتی پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ قدرتی ماحولیات کا تحفظ ایک طرف انسان کا بنیادی حق اور دوسری طرف، انسانی فریضہ شمار ہوتا ہے۔ لیکن اس حق و فرض سے عدم آشنائی اس سے کوتاہی کا اصل موجب ہے۔پس ایک دیندار معاشرہ کےلئے ضروری ہے کہ وہ عالم آفرینش کو محض نیچر کے طور پر نہ لے اور اس سے ہر جائز و ناجائز استفادے کو اپنا حق نہ سمجھے۔ بلکہ اسے اللہ تعالٰی کی تخلیق اور اپنی حیات و بقاء کی شرط قرار دیتے ہوئے اس کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم نے اس کرہ ارضی اور اس کی ماحولیات کو انسانی حیات کی پرورش گاہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا (78: 6)یعنی: "کیا ہم نے زمین کو (زندگی کے) قیام اور کسب و عمل کی جگہ نہیں بنایا؟"

پس دین کے منظرِ سے عالمِ آفرینش کی خوبصورت مصوّری انسانی زندگی کی گود اور انسان کے ہاتھوں میں اللہ تعالٰی کی امانت ہے۔اور اس امانت کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جو حقیقی معنوں میں دیندار ہو۔ اگر ایک انسان یا انسانی معاشرہ صاحب دین و ایمان نہ ہو تو اپنے منافع کے حصول کےلئے تمام ماحولیاتی فرائض سے پہلوتہی کرتا اور ماحولیات کو آلودہ کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ آج بے دین ترقی یافتہ ممالک اپنے اقتدار کی ہوس کے نشے میں ڈوب کر سمندروں اور صحراؤں میں ایٹمی اور غیر ایٹمی دھماکوں اور کیمیاوی تجربات کے ذریعے ماحولیات کو بری طرح آلودہ کر رہے ہیں جس سے آبی اور خاکی مخلوقات کی جانیں خطرے میں ہیں۔ حالانکہ سائنس، صنعت اور ٹیکنالوجی کا فریضہ انسان کی زندگی، معیشت اور ماحولیات کا سامان فراہم کرنا اور آبی و خاکی مخلوقات کی حفاظت اور عالم طبیعت کے مظاہر کی حفاظت ہے۔ ایسے میں یہ دینی تعلیمات ہی ہیں جو بنی نوع بشر کو اُس کی حیات کا ماحول، مضبوط معیشت اور پاکیزہ ماحولیات فراہم کر سکتی ہیں۔

بنابریں، ہر دیندار کا یہ فرض ہے کہ وہ معیشت و ماحولیات کے حوالے سے دین کی تعلیمات کو پوری دقّت کے ساتھ سمجھے، ان پر عمل پیرا ہو اور پوری انسانیت تک دین کا یہ پیغام پہنچائے۔

*****

حوالہ جات

1-جوادی آملی، عبد اللہ، *اسلام و محیط زیست*؛ تحقیق و تنظیم عباس رحیمیان، نشر اسراء، قم، ۱۳۸۶۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ راقم الحروف کے قلم سے "*اسلام اور ماحولیات*" کے عنوان سے چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے۔
2 - عبد اللہ ، جوادی آملی ، *اسلام اور ماحولیات*، مترجم ڈاکٹر شیخ محمد حسنین، لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 76:2017-
3 - ایضا: 36-35-
4 - ایضا:42-
5 - محمد بن حسن، الحرّ عاملی، *وسائل الشیعہ*، ج 17(قم، آل البیت،1414ہجری) 40-
6 -ایضا، ج 12: 11-
7 - جوادی آملی، *اسلام اور ماحولیات*: 9-68-
8 - ایضا:63-
9 - الفضل، ، ابو علي، ابن الحسن الطبرسي، *مجمع البیان*،(بیروت، دارالمرتضیٰ،2006) ج3-4: 8-697-
10 - محمد بن علی، الشیخ الصدوق، *ثواب الاعمال و عقاب الاعمال*،(قم، منشورات الرضی، 1368 ھ،ش) 252-
11 - ایضا:241-
12 - جوادی آملی، *اسلام اور ماحولیات* :106-
13- علامہ محمد باقر، مجلسی، *بحار الانوار*، ج9(بیروت، داراحیاء التراث العربی، 1403ق) 217-
14 -ایضاً: ج 75: 50-
15 -ایضاً، ج 76: 175-176-
16 -ایضاً ، ج 74: 50-
17 -ایضاً:49-
18 - الحر العاملی، *وسائل الشیعہ*، ج1، ص 325-

کتابیات

1) جوادی آملی ،عبد اللہ ، *اسلام اور ماحولیات*، مترجم ڈاکٹر شیخ محمد حسنین، لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 2017-
2) الحرّ عاملی، محمد بن حسن، *وسائل الشیعہ*، ج 17،قم، آل البیت،1414ہجری-
3) الفضل، ابو علي، ابن الحسن الطبرسي، *مجمع البیان*،بیروت، دارالمرتضیٰ،2006) ج3-4 -
4) الشیخ الصدوق، محمد بن علی،*ثواب الاعمال و عقاب الاعمال*،قم، منشورات الرضی، 1368 ھ -
5) مجلسی، علامہ محمد باقر، *بحار الانوار*، ج9،بیروت، داراحیاء التراث العربی، 1403ق-